مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

اموالِ تجارت اور زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے اور اہم مالی عبادت بھی! جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے گی وہ حلال ذرائع سے کمانے کے باوجود طیب نہ رہے گا بلکہ ناپاک ہوگا - ملاحظہ ہو ارشاد ربانی :

" خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها "

(اے رسولؐ) ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کیجئے انہیں پاک کیجئے اور اس (زکوٰۃ کی وصولی کے عمل سے) انہیں پاکیزہ بنائیے!"

یعنی آیتِ بالا میں زکوٰۃ کے دو فائدے بیان ہوئے ہیں - اول یہ کہ دل روحانی بیماریوں مثلاً بخل، خودغرضی، لالچ اور شقاوت سے پاک ہو جاتا ہے - اور اس کے بجائے اس میں اوصاف جمیلہ، ایثار اور ہمدردی جگہ لے لیتے ہیں - دوسرے یہ کہ مال پاکیزہ ہو جاتا ہے - وہ خزانہ کے حکم میں نہیں رہتا - وہ خزانہ جو نہ صرف انسان کو جہنم میں لے جائیگا بلکہ اس کے لئے سخت اذیت کا باعث ہوگا - ارشادِ خداوندی ہے :

"والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم ◦ يوم يحمى عليها في نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم هذا ما كنزتم لانفسكم فذوقوا ما كنتم تكنزون "

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں (اے رسولؐ) دردناک عذاب کی خوشخبری" دے دیں - جس دن یہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپائے جائیں گے - پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغ دیا جائیگا (اور کہا جائیگا) یہ کچھ تھا جو تم اپنے لئے خزانہ کرتے رہے - اب اس کا مزہ چکھو!

علاوہ ازیں بیشمار احادیث میں مانعین زکوٰۃ کے لئے سخت مواعید آئی ہیں - جن کو بوجہ طوالت چھوڑ دیا جاتا ہے - یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کفر ہے - اور مانعین زکوٰۃ کے ساتھ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جہاد کیا تھا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ زکوٰۃ کے معاملہ میں پوری احتیاط سے کام لیں۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا جاتے:

۱۔ زکوٰۃ میں اجتماعیت:

زکوٰۃ کی تحصیل اور مصارف دراصل اسلامی حکومت کا کام ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے رائج کیا تھا۔ ہمارے ہاں ابھی تک اس کا انتظام نہیں ہوا لہٰذا اس کے رائج ہونے تک انفرادی طور پر ہر ایک کو زکوٰۃ نکالنا اور اسے مناسب مصارف میں خرچ کرنا ہوگا۔ اگر اپنی برادری کے امیر یا معتبر آدمی کو زکوٰۃ کی تحصیل کے اختیارات دے دیئے جائیں یا اہل محلہ کی باہمی کوششوں سے کوئی ایسا ادارہ بنا لیا جائے جو یہ فرائض انجام دے تو انفرادیت سے یہ طریقہ کار بہتر ہے۔ کیونکہ اسلام ہمیں ہر معاملہ میں اتفاق اور اجتماعیت ہی سکھلاتا ہے۔ اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو پھر انفرادی طور پر ہی ادا کر دی جائے۔

۲۔ حیلہ سازی سے اجتناب:

زکوٰۃ نکالتے وقت ایسی حیلہ سازیوں سے کام نہ لینا چاہیئے کہ جن سے وہ کلی یا جزوی طور پر زکوٰۃ سے بچ سکیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

"وعن انس ان ابا بکر الصدیق کتب لہ ھذہ الفریضۃ التی فرضہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المسلمین والتی امر اللہ بہا . . . ولا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع" (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ تحریر لکھ کر دی تھی، "یہ زکوٰۃ وہ فریضہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اس کا حکم دیا . . . . زکوٰۃ کے خوف سے متفرق جانوروں کو جمع نہ کیا جائے اور مجتمع جانوروں کو متفرق نہ کیا جائے . . . !" (بخاری)

یہ دونوں باتیں زکوٰۃ سے بچنے یا اس میں کمی کی حیلہ سازیاں ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بھیڑ بکری کے ریوڑ میں زکوٰۃ ۴۰ سے کم پر کچھ نہیں۔ اور ۴۰ سے ۱۲۰ تک ایک بکری ہے۔ زید اور بکر دونوں کے پاس ریوڑ ہے۔ اور اندازاً ہر ایک کے پاس پچاس پچاس بکریاں ہیں۔ وصولی زکوٰۃ کے وقت جب عامل کی اطلاع ہو تو دونوں اپنے آپ کو "خلیط" ظاہر کر کے ریوڑ اکٹھا کریں اور اس طرح نصف زکوٰۃ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

بچ جائیں - یہ ناجائز ہے -

اسی طرح مثلاً زید کے پاس ۵۰ بکریاں ہیں اور بکر کے پاس ۲۰ - اور وہ دونوں آپس میں خلیط ہیں - وصولی زکوٰۃ کے وقت وہ دونوں اپنا مال الگ کرلیں تو بکر زکوٰۃ سے بچ جائیگا - اور اگر زید اپنی بکریوں میں سے ۱۴ بکریاں بکر کی بکریوں میں شامل کردے تو دونوں زکوٰۃ سے بچ جاتے ہیں - ایسی ہی صورتوں سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے -

اسی طرح حیلہ سازی کی ایک عام اور معروف شکل یہ ہے کہ وصولی زکوٰۃ کے وقت سے ذرا پہلے مرد اپنا مال بیوی کے نام ہبہ کردیتا ہے - اور زکوٰۃ کے مال کی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے - یا عورت اپنا زیور مرد کے نام ہبہ کردیتی ہے - تو ایسی ہیرا پھیری خود فریبی کے سوا کچھ نہیں - کیونکہ اس طرح مصدقین زکوٰۃ کو تو دھوکا دیا جاسکتا ہے، خدا کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا - جو درحقیقت خود اپنے آپ سے فریب ہے :

"یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون"

"وہ اللہ اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں - لیکن درحقیقت وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور سمجھتے نہیں"

ذاتی استعمال میں آنے والی چیزیں، خواہ وہ محل زکوٰۃ ہوں، خزانہ کے حکم میں نہیں آتیں - لہٰذا وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دی جاتی ہیں - بعض لوگ اس بات کا سہارا لے کر پہننے کے زیور کی زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں اگرچہ وہ حد نصاب سے زائد ہوں - اور اس کے مقابلہ میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیور کے متعلق واضح حکم کی بھی پرواہ نہیں کرتے تو یہ صریح نافرمانی ہے، ارشاد نبوی ہے :

"وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعھا ابنۃ لھا وفی ید ھا مسکتان من ذھب فقال لھا اتعطین زکاۃ ھذا؟ قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بھما یوم القیامۃ سوارین من نار؟ فالقتھما" (رواہ الثلاثۃ واسنادہ قوی)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور پھر اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت

(بقیہ گزشتہ صفحہ) ایسے شرکا جنہوں نے اپنے مویشی کی نگہداشت اور رہائش کا انتظام تو مشترکہ طور پر کر رکھا ہو مگر مال سب کا الگ الگ ہو انہیں خلیط کہا جاتا ہے جن کے اموال میں مشترکہ طور پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے -

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ۔ اس کے ہمراہ اس کی بچی تھی جس نے سونے کے کڑے پہن رکھے تھے ۔ آپؐ نے فرمایا ،" کیا اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" کہنے لگی "نہیں!" آپؐ نے فرمایا " تو کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے آگ کے کنگن پہنائے؟" یہ سن کر اس نے انہیں اتار پھینکا ۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

دوسرا ارشاد یوں ہے :

"وعن ام سلمۃ : انہا کانت تلبس اوضاحًا من ذھب فقالت : یا رسول اللہ ، اکنز ھو ؟ قال اذا ادیت الزکوٰۃ فلیس بکنز !" (رواہ ابوداؤد والدار قطنی وصححہ الحاکم)

"حضرت ام سلمہؓ سونے کا بنا ہوا زیور استعمال کرتی تھیں ۔ انہوں نے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا "یا رسول اللہ، کیا یہ کنز ہے ؟" (دولت جمع کرنے کے حکم میں) فرمایا : "جب تم اس کی زکوٰۃ ادا کرو تو یہ کنز نہیں ہے ؟" (ابوداؤد، دار قطنی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے)

ایسی گریز کی راہوں اور حیلہ سازیوں سے اجتناب کرنا چاہیئے ۔ شرح زکوٰۃ خدا تعالیٰ کے انعامات کے مقابلہ میں بالکل معمولی ہے ۔ لہٰذا ہر مسلمان کو زکوٰۃ بطیب خاطر ادا کرنی چاہیئے ۔

۳ ۔ بخل سے اجتناب :

بخل انسانی فطرت میں داخل ہے ۔ اگر اس نے فی الواقعہ کسی کا کوئی حق دینا ہو اور دینے کو تیار بھی ہو تو پھر بھی طبیعت میں کچھ بوجھ محسوس کرتا ہے اور چیں بجبیں ہوتا ہے (الا ماشاء اللہ) انسان کی اس فطری کمزوری کو شارع علیہ السلام نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں ۔ ارشاد ہے :

"سیأتیکم رکیب مبغضون فاذا جاءوکم فرحبوا بہم "

"تمہارے پاس (عاملین زکوٰۃ کے) چھوٹے چھوٹے قافلے آئیں گے جو تمہیں ناگوار محسوس ہونگے، جب وہ آئیں تو انہیں خوش آمدید کہو !

"وخلوا بینہم وبین ما یبتغون فان عدلوا فلانفسہم وان ظلموا فعلیہم فارضوہم فان تمام زکاتکم رضاہم ولیدعوا لکم ۔" (رواہ ابوداؤد)

"اور تشخیص مال و زکوٰۃ کے معاملہ میں انہیں اپنی مرضی کرنے دو ۔ اور پھر اگر وہ انصاف سے

کام لیں تو اس کا انہیں اجر ملے گا۔ اور اگر زیادتی کریں تو اس کا بار ان کی گردن پر ہے۔

تم انہیں خوش رکھو کیونکہ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل کا انحصار ان کی رضا پر ہے (پھر وصول زکوٰۃ کے بعد) عاملین کو چاہیئے کہ تمہارے حق میں دعا کریں۔" (ابوداؤد)

حدیث بالا میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے متعلق کس قدر جامع ہدایات دی گئی ہیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپؐ کے عاملین ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، "انہیں راضی کرو اور جو کرتے ہیں کرنے دو!"

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی کہ عاملین ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ تو کیا ہم اتنا مال چھپا لیا کریں کہ حساب برابر رہے؟ آپؐ نے فرمایا، "ایسا مت کرو!"

ان احکامات سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت بڑے فتنہ کا سدباب فرما دیا۔ ورنہ زکوٰۃ کا سارا نظام انسان کے طبعی بخل کی نذر ہو کر درہم برہم ہو جاتا۔ کیونکہ حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ عامل متقی اور بڑے منصف مزاج ہوتے تھے اور انہیں تشخیص مال اور زکوٰۃ کے بارے میں پوری ہدایات اور احکام دے کر روانہ کیا جاتا تھا۔ اب اگر زکوٰۃ دہندہ فطری بخل کی بنا پر انصاف کو بھی زیادتی تصور کرنے لگے تو اس میں عامل کا کیا قصور؟

ایک دفعہ ایک صاحبِ مال نے عامل کو زکوٰۃ کے علاوہ کچھ ہدیہ بھی دیا۔ عاملین بڑے راستباز لوگ ہوتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بالکل سچ سچ بتا دیا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ تو آپؐ طیش میں آ گئے۔ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"کچھ لوگوں کو میں عامل بنا کر بھیجتا ہوں (اس عامل کا نام ظاہر نہیں فرمایا) اور وہ آ کر یوں اور یوں کہتے ہیں۔ بھلا اگر وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھے رہتے تو ان کو ایسے ہدیے مل سکتے تھے؟"

ظاہر ہے کہ ہدیہ دینے سے صاحبِ مال کا مقصد تشخیص مال یا زکوٰۃ میں نرمی کا برتاؤ تھا۔ گویا اس ہدیہ سے رشوت کا کام لینا مقصود تھا۔

عاملینِ زکوٰۃ کو ہدایت تھی کہ وہ زکوٰۃ میں اعلیٰ مال مت لیں۔ بلکہ اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ تین درجہ کے اوسط میں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ نیز وہاں جا کر افسری شان مت جتائیں کہ ایک مقام پر بیٹھ کر لوگوں کو احکام دیں کہ اپنا مال تشخیص کے لئے یہاں لائیں وغیرہ وغیرہ۔

۴- زکوٰۃ کے مستحقین :

زکوٰۃ چونکہ اغنیاء سے وصول کرکے فقراء کو دی جاتی ہے - اس لئے غنی اور فقیر کا امتیاز بھی بہت ضروری ہے - مختصراً یہ کہ جو صاحبِ نصاب ہو وہ غنی ہے - اور جس کسی کے پاس محل زکوٰۃ اشیاء میں کچھ بھی حدِ نصاب کو نہیں پہنچتا ، وہ فقیر مستحق زکوٰۃ ہے -

محل نصاب چار چیزیں ہیں اور انہی چاروں پر انسانی زندگی کا انحصار ہے :

ا- زرعی پیداوار :

اس میں ہر وہ پیداوار شامل ہے جو ذخیرہ ہو سکتی ہے - خواہ وہ انسانوں کی خوراک ہو خواہ مویشی کی - مثلاً گندم ، جو ، چاول ، کپاس ، باجرہ ، مکئی ، چنے ، تیل نکالنے کے بیج گنا یا گڑ وغیرہ - اس کے علاوہ ایسے تمام پھل بھی جو قابلِ ذخیرہ ہیں - مثلاً کھجور بطور چھوہارے ، انگور بطور منقہ ، بادام ، اخروٹ وغیرہ (پھلوں کے سلسلہ میں ۱/۴ سے لے کر ۱/۳ تک رعایت بھی کرنا ہو گی)

یہ اجناس اگر قدرتی وسائل سے سیراب ہوں مثلاً بارش چشمے سے - تو ان پر زکوٰۃ عشر ہو گی - اور مصنوعی وسائل سے مثلاً چاہی یا نہری پانی سے ہو تو نصف عشر یا ۱/۲۰ حصہ ہو گی - اس کا حدِ نصاب ۵ وسق ہے - ایک وسق = ۶۰ صاع یا کل ۳۰۰ ٹوپے - ایک صاع = مروجہ ۲ سیر ۱۱ چھٹانک (جو آپ فطرانہ کے وقت حساب لگاتے ہیں) موجودہ علماء نے ۲۰ من گندم حدِ نصاب متعین کیا ہے - اس سے کم فصل ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے - ایک سیر بھی بڑھ جانے پر پورے فصل پر زکوٰۃ واجب ہو گی - نیز یہ زکوٰۃ ہر فصل پر ہو گی - ارشادِ ربانی ہے :

" وآتوا حقہ یوم حصادہ "

" اور فصل کاٹنے کے دن (خدا تعالیٰ کا) حق اس کو ادا کر دو "

لہٰذا یہ زکوٰۃ فصل کاٹنے کے ساتھ ادا کر دینی چاہیئے -

اگر سال میں دو یا زیادہ فصلیں ہوں تو سب پر زکوٰۃ ہو گی - اس میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے - سبزی ، ترکاری اور عام پھل زرعی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں - ان کی زکوٰۃ تجارتی اموال کے حساب میں آسکتی ہے - اگر سال بعد تک کچھ بچ جائے -

(ب) مویشی :

بھیڑ بکری ، دنبے وغیرہ کے ریوڑ ، گائے اور بھینس اور اونٹ جو عموماً خود رو پیداوار گھاس اور درختوں وغیرہ سے اپنا پیٹ پال لیتے ہیں - جبکہ یہ افزائش نسل کے لئے ہوں ، ان پر زکوٰۃ واجب ہے -

ان کی زکوٰۃ کی تفصیل ذرا لمبی ہے جو احادیث کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہاں حدِ نصاب سے غرض ہے اور وہ یہ ہے:

بھیڑ بکری ۴۰ تک ہوں تو کچھ زکوٰۃ نہیں ہے۔ گائے بھینس ۳۰ تک اور اونٹ ۵ تک زکوٰۃ نہیں ہے۔

جو جانور بطور عامل کام کر رہے ہوں۔ مثلاً آبپاشی، ہل چلانا، باربرداری۔ یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ نیز گھوڑا، خچر، گدھا اور پالتو جانور بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۔ چاندی، سونا (نقدی خواہ وہ امانت کی شکل میں کسی کے پاس ہو یا قابلِ وصول قرضہ کی صورت میں) ان کی زکوٰۃ ربع عشر یا ۱/۴۰ حصہ یا ۲½ ہے۔ حد نصاب چاندی کے لئے ۵ اوقیہ ہے یا ۲۰۰ درہم۔ جو کہ اندازاً ۵۲½ تولے ہے۔ اور سونے کا حد نصاب ۲۰ دینار یا ۷½ تولہ ہے۔

دورِ نبوی میں سونا چاندی دونوں زرِ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اور ان کی قیمتوں میں صرف ایک اور سات کی نسبت تھی۔ یعنی ۷½ تولے سونا = ۵۲½ تولے چاندی۔

دوسرے لفظوں میں سونے کا بھاؤ، چاندی سے صرف سات گنا ہوتا تھا۔ بعد کے ادوار میں سونے کی قیمت تو چڑھتی گئی اور چاندی کی قیمت گرتی گئی۔ اور اس کی غالباً دو وجوہ ہیں۔ اولاً تو چاندی کی بجائے صرف سونا ہی زرمبادلہ قرار پایا۔ ثانیاً چاندی کے زیورات آہستہ آہستہ متروک ہوگئے۔ ۱۹۳۷ء کی جنگِ عظیم سے پہلے چاندی اور سونے کی مالیت میں تقریباً ایک اور تیس کی نسبت ہو چکی تھی۔ اور اب تو یہ نسبت اور بھی زیادہ ہو چکی ہے۔ جبکہ آئندہ مزید بڑھنے کا امکان ہے۔

سونے اور چاندی کا حدِ نصاب جو شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا، اس میں ردوبدل کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ خواہ یہ باہمی تفاوت اور بھی زیادہ ہو جائے۔ مگر نقدی کے متعلق ہمیں ضرور کچھ فیصلہ کرنا ہوگا۔ کہ نقدی کا حساب طے کرنے کے لئے چاندی کو بنیاد قرار دیا جائے یا سونے کو؟ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ ہمارے ہاں نوٹوں کے اجراء سے پہلے چونکہ چاندی کا روپیہ رائج تھا۔ لہٰذا چاندی کو بنیاد قرار دیکر چاندی کی موجودہ قیمت کے حساب سے ۵۲½ تولے چاندی کی قیمت نکال لی جائے۔ یہ حدِ نصاب ہوگا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کے دور میں چاندی زرمبادلہ شمار ہی نہیں ہوتی تو اس کو معیار کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ آج کل زرمبادلہ یا دوسرے لفظوں میں حکومت کے بنکوں میں محفوظ ذخائر صرف سونے کے رکھے جاتے ہیں۔ تو نقدی کا معیار چاندی کی بجائے سونا ہونا چاہئیے۔

ہمارے خیال میں سونے کی بجائے چاندی کو حد نصاب قرار دینا ہی زیادہ مناسب اور درست ہے

کیونکہ زکوٰۃ جیسے اہم فریضہ میں ہر ممکن احتیاط لازم ہے ۔ اگر اللہ کا حق ہمارے ذمہ رہ جائے تو اس کا وبال بہت زیادہ ہے ۔ لہٰذا عقلی دلائل کو بالائے طاق رکھ کر احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیئے ۔

آج کل عموماً ایک ہزار روپیہ تک کی نقدی کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے ۔

۴ ۔ اموالِ تجارت میں زکوٰۃ :

چونکہ اموالِ تجارت کی زکوٰۃ ہمارے موضوع سے متعلق ہے ۔ لہٰذا اسے ہم تفصیل سے بیان کریں گے ۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ زکوٰۃ صرف سونے، چاندی اور نقدی پر ہے ۔ موجودہ دور میں تجارت کے اموال کی فرضیت کا تصور یا تو سرے سے موجود ہی نہیں اور اگر ہے تو بہت کم ۔ حالانکہ ہر طرح کے تجارتی اور صنعتی اموال پر زکوٰۃ ایسے ہی فرض ہے جیسے نقدی وغیرہ پر ۔ ملاحظہ ہو ارشادِ نبوی :

۱ ۔ عن سمرۃ بن جندب ، قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأمرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت سمرہؓ بن جندب سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس مال سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم فرماتے تھے، جسے ہم تجارت کا مال شمار کرتے تھے ۔" (ابوداؤد)

۲ ۔ حماس نامی ایک شخص رنگے ہوئے چمڑوں اور تیر محفوظ رکھنے کے لئے ترکشوں کی تجارت کرتا تھا، اسے حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"قَوِّمْهَا يَعْنِي الْأَدَمَ وَالْجِعَابَ وَأَدِّ زَكَاتَهَا"

"ان چمڑوں اور ترکشوں کی قیمت متعین کرو، پھر ان کی زکوٰۃ ادا کرو ۔"

مالِ زکوٰۃ اور زکوٰۃ سے متعلقہ ہدایات :

۱ ۔ مالِ زکوٰۃ کی تشخیص موقع پر ہوگی جس جگہ کہ مالِ زکوٰۃ موجود ہے ۔ ارشادِ نبوی ہے :

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤخذ صدقات المسلمین علی میاھھم" (رواہ احمد)

"حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے باپ سے، پھر دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ، مسلمانوں سے زکوٰۃ ان کے آبپاشی کے مقاموں پر ہی وصول کی جائے ۔"

یہ حدیث زرعی پیداوار سے متعلق ہے ۔

دوسری روایت یوں ہے :

"عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : لا جلب ولا جنب ولا تؤخذ صدقاتھم الا فی دورھم" (رواہ ابوداؤد)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عامل ایک جگہ بیٹھ کر علاقے کے مال اپنے پاس نہ منگوائے اور نہ صاحب مال اپنا مال دور لے جائیں بلکہ جہاں کوئی رہتا ہے زکوٰۃ وہیں جاکر لی جائے"!

موقع پر مال کی تشخیص کا فائدہ یہ بھی ہے کہ مال کی تشخیص اور زکوٰۃ کی تعیین میں فریقین میں سے کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ فصل کی تشخیص کھیتوں میں، مواشی کی چراگاہوں میں، دکانوں کی دکانوں پہ اور فیکٹریوں کی فیکٹریوں پہ ہونی چاہیے۔ وعلی ہذا القیاس۔

۲۔ مال کی زکوٰۃ اسی مال میں سے نکالنا بہتر ہے:

حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خذ الحب من الحب والشاۃ من الغنم والبعیر من الابل والبقرۃ من البقر" (رواہ ابوداؤد)

"حضرت معاذؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا "غلّہ سے غلّہ، بکریوں سے بکری، اونٹوں سے اونٹ، گایوں میں سے گائے بطور زکوٰۃ) وصول کرو"

اس ارشاد میں زکوٰۃ دینے کی سہولت کو زیادہ مدنظر رکھا گیا ہے۔ تاہم وصول کنندہ کے لئے بھی اسی میں سہولت ہے۔ اگر صاحب مال نقدی کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ مگر قیمت کے تعین میں دل کی فراخی کا ثبوت دینا چاہیے اور رجحان کم قیمت لگانے کی طرف نہ ہو۔

۳۔ عوامل پیداوار:

یعنی ایسے آلات، مشینری، عمارات یا مویشی جن کے ذریعہ پیداوار حاصل ہوتی ہے، یہ عوامل زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لیس فی الابل العوامل صدقۃ" (کتاب الاموال)

"پیداوار کا ذریعہ بننے والے اونٹ میں زکوٰۃ نہیں ہے"

(آبپاشی کا کام ہو یا ہل جوتنے کا یا بار برداری کا) اس اصول کے تحت، زرعی زمین پہ کام کرنے والے بیل، ٹریکٹر، فصل کاٹنے کی مشینیں، سب عوامل ہیں۔ اور یہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح: دکانوں کی عمارات، فرنیچر اور سٹیشنری وغیرہ کا سامان بھی مال زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔

اور فیکٹریوں کی اور کارخانوں کی بڑی بڑی عمارت اور بیش قیمت مشینری، یہ سب کچھ عوامل کے ضمن میں آجائیں گی - اگرچہ فیکٹری کے سرمایہ کا کثیر حصہ انہی چیزوں پر صرف ہو چکا ہو - زکوٰۃ صرف اس مال پہ ہوگی جو اس کارخانے نے تیار کیا -

۴ - مالِ مستفاد کی آمیزش :

مالِ مستفاد وہ مال ہے جو دورانِ سال کسی وقت بھی کاروبار میں لگایا جائے - مثلاً کاروبار شروع ہوئے چھ ماہ گزر گئے تو مالک کو مزید کچھ رقم ہاتھ آگئی - وہ رقم بھی اب اس نے کاروبار میں شامل کر دی - اب زکوٰۃ کی تعیین کے وقت اس مال پر تو پورا سال نہیں گزرا - لہٰذا اگر صاحب مال چاہے تو اس مال کو زکوٰۃ سے الگ کر سکتا ہے اور اس مال کی زکوٰۃ کا حساب مزید چھ ماہ گزرنے پر زکوٰۃ نکال لے - لیکن بہتر یہی ہے کہ ساتھ ہی ساتھ اس مال کی بھی زکوٰۃ نکال دی جائے - تاکہ آئندہ کے حساب کتاب کی پیچیدگیوں سے نجات حاصل ہو جائے - پھر اگر مالِ زکوٰۃ کچھ زیادہ بھی نکل گیا تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت بہتر اجر دینے والا ہے -

۵ - زکوٰۃ چالو مال کی کل موجودہ مالیت پر عائد ہوگی :

زکوٰۃ موجودہ مالیت پر شمار ہوگی نہ کہ اصل سرمایہ پر جو سال پہلے تھا - کیونکہ پورا سال گزرنے کی شرط نصاب کیلئے ہے، دورانِ سال حاصل ہونے والی رقم کے لئے نہیں - مثلاً ایک آدمی نے دس ہزار سے ایک کاروبار شروع کیا - پھر اس میں ماہ بماہ منافع کی رقم بھی شامل ہوتی رہی اور مالیت بڑھتی گئی اور سال کے اختتام پر یہ رقم دس ہزار کی بجائے پندرہ ہزار روپے ہوگئی - اب زکوٰۃ پندرہ ہزار پر لگے گی نہ کہ دس ہزار پر -

اسی طرح اگر کاروبار میں نقصان ہو جاتا ہے اور سال کے آخر میں رقم دس ہزار کی بجائے سات ہزار رہ جاتی ہے تو زکوٰۃ سات ہزار پر لگے گی نہ کہ دس ہزار پر -

اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ زکوٰۃ کا تعلق نہ تو اصل سرمایہ سے ہے، نہ نفع اور نقصان سے - بلکہ اس کا تعلق موجودہ مالیت سے ہے -

مندرجہ بالا ہدایات اور احکامات کی روشنی میں ایک دوکان کی مالیت یوں مشخص ہوگی :

(الف) سب سے پہلے فروخت شدہ مال کی نقد رقم، خواہ وہ پاس موجود ہے یا کچھ حصہ بنک میں بطور امانت ہے -

(ب) موجود مال کی قیمت بحساب قیمت خرید معہ متفرق اخراجات باربرداری تا دوکان مذکور -

(ج) ادھار جو مال کی فروخت کے عوض گاہکوں کی طرف رہ گیا ہے (اس میں ایسی ادھار کی رقوم جن کی وصولی

کی توقع ہی نہ ہو، وضع کی جاسکتی ہیں)

ان تینوں رقوم کو جمع کرکے اس کا ۱/۲-۲ ۲ نکال لیجئے۔ یہ اس دوکان کی زکوٰۃ ہوگی۔

نوٹ: دوسروں کے قرض لے کر دکان میں لگایا گیا ہو تو وہ دوکان کا سرمایہ ہی شمار ہوگا۔ تعیین زکوٰۃ کے وقت یہ رقم وضع نہ ہوگی۔

مثال ۲:

اب ایک فیکٹری مثلاً برقی پنکھے کی فیکٹری کا حساب یوں ہوگا:

(ا) فروخت شدہ مال کی رقم بمع نقود حسب بالا۔

(ب) پیدا کردہ مال کی قیمت بحساب اصل لاگت۔

(ج) گاہکوں کے ادھار۔ حسب مثال بالا، زکوٰۃ نکال لیجئے۔

نوٹ: موسمی فیکٹریاں اور کارخانے۔ مثلاً برف کا کارخانہ یا برقی پنکھوں کا کارخانہ۔ ایسے کارخانے اگر موسم ختم ہوتے ہی زکوٰۃ کا حساب کرلیں تو بہتر ہے۔

بعض کارخانے ایک سال میں دوبار بھی مال تیار کرکے فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً اینٹوں کے بھٹے۔ ان میں سے اکثر سال میں دوبار اینٹ پکاتے ہیں۔ یہ لوگ اگر ہر سیزن پر زکوٰۃ کا حساب کرلیا کریں اور " وآتوا حقہ یوم حصادہ " پر عمل پیرا ہوں تو یہ ہمارے خیال میں زیادہ مناسب ہے۔

بعض دوکانیں ایسی ہیں جن کا اچھا خاصا کاروبار ہوتا ہے لیکن ان میں مال برائے نام ہوتا ہے مثلاً سبزی فروش، پھل فروش، شیر فروش، قصاب، ہوٹلوں والے اور اخبارات کے دفاتر۔ ان دکانوں میں موجود مال تو حد نصاب کو پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو نقدی پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

جائداد کی خرید و فروخت کرنے والے:

۱۔ جو لوگ اپنے زائد سرمایہ سے زمینوں کے پلاٹ اور مکان تجارتی نظریہ سے خریدتے اور فروخت کرتے رہتے ہیں، ان پر تجارتی زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ ان کی فروخت کے متعلق کچھ علم نہیں ہوتا کہ کب فروخت ہوں گے۔ خواہ تین ماہ بعد بک جائیں یا ۳ سال تک بھی نہ بکیں۔ ایسے لوگ جب کوئی چیز بک جائے، اس کی قیمت فروخت کے حساب سے زکوٰۃ نکال دیا کریں، جب بھی بکے۔

۲۔ یہی صورت مکان تعمیر کرکے بیچنے کا کاروبار کرنے والوں کیلئے ہوگی۔

۳۔ جو لوگ مکان یا دکانیں تعمیر کرکے انہیں کرایہ پر چڑھا دیتے ہیں۔ تو زکوٰۃ دکانوں اور

مکانوں کی مالیت پر نہ ہوگی بلکہ وصول شدہ کرائے کی کل رقم پر ہوگی اور سال بعد یہ حساب ہوگا۔

البتہ جو لوگ اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کوئی پلاٹ، مکان یا دوکان خریدتے ہیں، ان پر کچھ زکوٰۃ نہیں ہے۔

مشترکہ کاروبار اور زکوٰۃ

مضاربت اور زکوٰۃ:

مثال نمبر ۱:

زید اور بکر ایک کاروبار میں شریک ہوئے۔ زید نے دس ہزار روپے سرمایہ لگایا۔ بکر نے محنت کی۔ نفع و نقصان برابر برابر طے ہوا۔ سال کے آخر میں بجائے نفع کے نقصان ہوگیا۔ اور سرمایہ صرف آٹھ ہزار روپے رہ گیا۔ اب اس مال پر زکوٰۃ عائد ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کیا صرف زید پر ہوگی یا بکر پر بھی؟ بکر یہ کہتا ہے کہ جب اس کا سرمایہ ہی نہ تھا تو اس پر زکوٰۃ کیسے عائد ہوسکتی ہے؟

جواب: موجودہ مال پر یعنی آٹھ ہزار پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔ کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق نہ تو ابتدائی سرمایہ سے ہے اور نہ نفع اور نقصان سے۔ بلکہ موجودہ کل مالیت سے ہے اور بکر زکوٰۃ میں برابر کا شریک ہوگا۔ کیونکہ اس کی محنت نے سرمایہ کے برابر پورا کام کیا ہے۔ جب نفع کی صورت میں دونوں پر زکوٰۃ واجب تھی۔ اسی طرح نقصان کی صورت میں بھی برابر کا حصہ دار ہوگا۔ اور یہ زکوٰۃ بھی کاروبار میں لاگت میں شمار ہوگی۔

شراکت:

مثال نمبر ۲:

زید نے ایک کاروبار میں دس ہزار روپے لگائے۔ ۲ ماہ بعد بکر ۲۰۰۰/- روپے شامل کرکے شریک ہوگیا۔ مزید ۵ ماہ گزرنے پر عمر نے ۶۰۰۰/- روپے شامل کردیئے۔ سال کے اختتام پر حساب کیسے ہوگا؟ جبکہ سال کے آخر میں کاروبار کی مجموعی مالیت ۲۶۵۰۰/- روپے ہوگی؟

حل:

اس سوال میں بکر اور عمر مختار ہیں، چاہے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کریں چاہے زید کے ساتھ ادا کردیں۔ اگر دوسری صورت ہو تو ہر ایک کے ذمہ زکوٰۃ اس طرح نکالی جائیگی:

پہلے شراکت کے سوالوں کی طرح ہر ایک کا منافع اس کے سرمایہ میں شامل کیا جائیگا۔ سرمایہ کی اکائیوں

کو مدت سے ضرب دیکر ہر ایک کا منافع الگ الگ معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

زید کے سرمایہ کی اکائیاں : ہزار × ماہ

۱۰ × ۱۲ = ۱۲۰

بکر " " " : ۲ × ۱۰ = ۲۰

عمر " " " : ۶ × ۵ = ۳۰

نسبتی مجموعہ = ۱۲۰ + ۲۰ + ۳۰ = ۱۷۰ یا

۱۲ + ۲ + ۳ = ۱۷

منافع = (کل مالیت ـ اصل سرمایہ) = ۲۶۵۰۰ ـ (۱۰۰۰۰ + ۲۰۰۰ + ۶۰۰۰) = ۸۵۰۰

زید کا منافع = ۸۵۰۰ × ۱۲/۱۷ = ۶۰۰۰ روپے
بکر کا منافع = ۸۵۰۰ × ۲/۱۷ = ۱۰۰۰ "
عمر کا منافع = ۸۵۰۰ × ۳/۱۷ = ۱۵۰۰ "
= ۸۵۰۰ روپے

پس :

زید کی کل مالیت = ۱۰۰۰۰ + منافع ۶۰۰۰ = ۱۶۰۰۰ روپے
بکر " " " = ۲۰۰۰ + " ۱۰۰۰ = ۳۰۰۰ "
عمر " " " = ۶۰۰۰ + " ۱۵۰۰ = ۷۵۰۰ "
= ۲۶۵۰۰ روپے

کل مالیت ۲۶۵۰۰ روپے پر زکوٰۃ = ۲۶۵۰۰ × ۵/۲ × ۱/۱۰۰ = ۶۶۲½ روپے

زید کی زکوٰۃ = ۴۰۰ روپے

بکر کی زکوٰۃ = ۷۵ روپے

عمر کی زکوٰۃ = ۱۸۷½ روپے

زید پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے ۔ باقی دونوں مختار ہیں کہ ابھی ادا کر دیں ۔ ورنہ اپنی سال بھر کی مدت کے بعد انہیں اسی طرح نئے سرے سے حساب کرکے زکوٰۃ نکالنا ہوگی ۔ حساب کرتے وقت یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندے کی طرف نہ رہ جائے ۔

کمپنیوں کے حصص اور زکوٰۃ

آج کل بیشمار کمپنیاں جن میں سے اکثر لمیٹڈ ہوتی ہیں ۔ لوگوں کے سرمایہ سے کاروبار کرتی ہیں ۔ ان کا طریق

مشہور ومعروف ہے ۔ مثلاً ایک کمپنی اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک لاکھ روپے کی رقم متشخص کرتی ہے ۔ وہ اس کے ۱۰۰ حصے مقرر کرکے عوام کو دعوت دیتی ہے کہ ۱۰۰/- روپے فی حصہ کے حساب سے جو شخص چاہے اور جتنے حصے چاہے، خرید سکتا ہے ۔ بعض کمپنیاں تو مضاربت کی شکل میں کاروبار کرتی ہیں اور اکثر ترجیحی حصص کے ذریعہ سرمایہ حاصل کرتی ہیں ۔ یہ ترجیحی حصص عندالطلب قابل واپسی بھی ہوتے ہیں اور ان پر ایک مقررہ شرح سے منافع بھی ملتا رہتا ہے ۔ یہ تو خالص سودی کاروبار ہے ۔ یہ حرام ہے ۔ لہٰذا ان حصص پر زکوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ زکوٰۃ حرام مال کو حلال نہیں بناسکتی ۔ رہے مضاربت کے حصص تو ایسی صورت میں زکوٰۃ مخلوط مال کی شکل میں ادا ہوگی ۔ ہاں اگر کمپنی یہ اہتمام نہ کرے تو ہر حصہ دار صاحب نصاب خود اپنی زکوٰۃ ادا کرے ۔ اور اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو نہ کرے ۔

کمپنیوں کے حصص کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے ۔ ایک سال بعد ۱۰۰ روپے کے حصہ کی قیمت منافع کی شکل میں ۱۵۰/- روپے بھی ہوسکتی ہے اور نقصان کی صورت میں ۶۰ روپے بھی ۔ اگر کمپنی سودی کاروبار میں ملوث ہو تو جائز ہے ۔ ان کی خرید وفروخت کی شکل یہ ہے کہ بائع اور مشتری آپس میں موجودہ قیمت کے لحاظ سے سودا بازی کرکے لین دین کرلیتے ہیں اور کمپنی کو فقط مطلع کردیتے ہیں ۔ اور کمپنی کے اندراجات میں بطور حصہ دار بائع کی بجائے مشتری کا نام آجاتا ہے ۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ کمپنی کے پاس قابلِ فروخت حصص ختم ہوچکے ہوں ۔ ایسے حصوں پر زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر اس موجودہ قیمت کے لحاظ سے عائد ہوگی ، نہ کہ ابتدا میں لگائے ہوئے سرمایہ کے حساب سے !

تو یہ ہیں زکوٰۃ کی تشخیص کے بنیادی اصول ۔ جن کی مدد سے ہر آدمی اگر نیک نیتی سے اپنی زکوٰۃ خود متشخص کرنا چاہے تو کرسکتا ہے ۔ اور اگر گنجائشیں نکالنا چاہے تو یہ اس کی اپنی گردن پر ہے ۔

"بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ "

" بلکہ انسان اپنے متعلق خوب جانتا بوجھتا ہے ۔ اگرچہ طرح طرح کے عذر پیش کرے !

- خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ۔
- ترجمان میں اشتہار دے کر تجارت کو فروغ دیں اور اس دینی خدمت میں معاون بنیں ۔
- تبصرہ کے لئے کتاب کی دو جلدیں بھیجنا لازمی ہے ۔

(ادارہ)